یہ صدی ہمارے
منظر بھوپالی

یہ کاروبار تنقید یا تقدیر نہیں بلکہ سچائی ہے
کہ نئی سوچوں نئی نازک تیوروں کے ملک زلفوں
کو اپنے گہرے شعور اور سیاق میں منظر نے ڈھالنے
رہے آج کے ماحول میں جو نئے اور تازہ ذہنی غزل
کے نئے منظر نامہ لکھ رہے ہیں ان میں ایک نام
منظر کا بھی ہے مجھے اس روایتی جملے سے نفرت
نفرت ہے کہ تجربوں اور مشاہدوں کو عمر
درکار ہوتی ہے۔ ریاضت اور صلاحیتیں دو
مختلف چیزیں ہیں منظر نے کم عمری میں جس
آفاقی شعور کی داد دی ہے اس کی مثال
مشکل سے ملتی ہے ورنہ شہرت شاعروں کی ایک
رات کی کمائی نہیں بلکہ ساری شاعری کی عمری اور
کھری آواز ہے آہستہ آہستہ اردو کا حصہ بنتی جا رہی
ہے میں نے منظر کی نازک انگلیوں کو غزل
سمندر میں الفاظ کے موتی چنتے دیکھا ہے۔ اپنے
پیشرو بزرگوں کی قبروں کی مٹی کو خاک شفا
سمجھ کر آنکھوں سے لگانے والے اس شاعر نے بھی
قدیم اور عظیم روایتوں کے سینے میں اپنے عہد کی
سانسیں پھونک دی ہیں۔ بزرگان نقد و نظر جو
عصری مشاعروں کے حوالے سے پہچانتے ہیں اگر
غور سے سنیں تو اس کی شہ آواز کے پیچھے بکھری
اور گونجتی آوازوں کا ایک طویل سلسلہ ملے گا۔ اگر
غور سے دیکھیں تو اس کی راتوں میں ایسے کئی جگنو
ملیں گے جن میں سورج بننے کی صلاحیت ہے اگر
سنجیدگی سے سوچیں تو اندازہ ہوگا کہ اس نے
اپنے گزرے ہوئے کل کو سمجھا ہے۔ آج کو برتا ہے
اور آنے والے کل کو سوچا ہے۔

منظر کو میں اپنے چھوٹے بھائی کی طرح پیار
کرتا ہوں اور مجھے اس کی شعری صلاحیتوں پر اعتبار ہے

ڈاکٹر راحت اندوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدھیہ پردیش اُردو اکیڈیمی کے تعاون سے

مُصنّف	منظر بھوپالی
ولدیت	حضرت میر عباس علی
تعلیم	ایم۔ اے
اعزاز	حکومتِ ہند کی جانب سے اعزازی وظیفہ
سکونت	"کائنات" ۲۲۷ اے، عیش باغ اسٹیڈیم کالونی بھوپال
سیاحت	امریکہ۔ سلطنتِ عمّان۔ دوبئی۔ شارجہ۔ العین۔ ابوظہبی۔ پاکستان۔ دوحہ قطر

تصنیف	یہ صدی ہماری ہے
سرِورق	ظفر آرٹسٹ
تصویر	راشد علی
خطّاط	وکیل بستوی
ترتیب	ڈاکٹر راحت اندوری، ظفر صہبائی۔ ساجد رضوی
اشاعتِ اوّل	اکتوبر ۱۹۹۱ء
قیمت	۱۵ ڈالر U.S.A
ناشر	"ہم ایک ہیں" تنظیم، بھوپال
زیرِ اہتمام	میر تقی میر کلچرل سوسائٹی (رجسٹرڈ) دلّی
مطبوعہ	بھارت آفسیٹ پریس دلی

کتاب ملنے کا پتہ:

مدھیہ پردیش اُردو اکیڈمی بھوپال ۲۔

ہم ایک ہیں تنظیم، ۱۱۱ چوراہہ بینڈ ماسٹر بھوپال

مکتبِ دین وادب، امین آباد لکھنؤ

جو میرے دُکھ سُکھ کے موسموں کی ساتھی ہے

اپنے والدین کی محبت میں مہربان ہوکر
اپنے دونوں بازو
انکی خدمت کیلئے وقف کردو۔
اور یہ دعا کرتے رہو کہ
اے میرے رب تو
ان دونوں پر رحم فرما،
جیسا کہ انھوں نے
میرے بچپن کی بے بسی میں
مجھے پال پوس کر مہربانی کی تھی

قرآن حکیم

انتساب

اپنے والدِ محترم
جناب میر عباس علی
اور
والدہ محترمہ
جنابہ طاہرہ نکہت
کے نام
جنکی
شفقتوں نے مجھے
یہ مقام عطا کیا!

منظر بھوپالی

میرے اکثر ہم عمر شعراء نئی شاعری کو خاطر میں نہیں لاتے اور اس کے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار کرتے رہتے ہیں میں نے ان شعراء کی رائے کو ہمیشہ یکطرفہ اور بے بنیاد قرار دیا۔ لیکن یہ کہنے میں مجھے کوئی باک نہیں کہ نئے شعراء میں خاصی تعداد ان شعراء کی ہے جنہوں نے نئی شاعری کو محض فیشن سمجھ کر اپنایا ہے یہ وہ شعراء ہیں جنہوں نے پرانی شاعری پر نظر ڈالنے کی کوشش نہیں کی اور اس غلط فہمی میں رہے کہ ہماری پرانی کلاسیکی شاعری محاسن سے بالکل عاری ہے اور اسکے مطالعے

سے ہماری شاعری کے عیب دار ہو جانے کا اندیشہ ہے، حالانکہ
حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، نئی شاعری صرف انہیں شعراء کے
ہاتھ میں اگر زندہ قوت بنی ہے جنہوں نے کلاسیکی شاعری کا
مطالعہ ذوق و شوق اور احترام کے ساتھ کیا ہے، بقول اقبال ؎

نئی بجلی کہاں اُن بادلوں کے جیبِ دامن میں
پُرانی بجلیوں سے بھی ہے جن کی آستیں خالی

اور نئے شعراء کی اس مختصر سی فہرست میں جنہوں نے اُردو کی کلاسیکی
شاعری کا بھرپور مطالعہ کیا ہے، منظر بھوپالی کا نام خاص اہمیت کا
حامل ہے میں نے ان کا کلام مشاعروں میں بھی سُنا ہے (ہندوستان
و پاکستان میں بھی) اور رسائل میں بھی پڑھا ہے اور میں دونوں صورتوں
میں ان کے کلام سے متاثر ہوں۔

اپنے جن اکثر ہم عمر شعراء کا ذکر میں نے ان سطور کے آغاز میں
کیا ہے ان میں سے بعض ادبی اعتبار سے مشاعرے کو ایک ساقط المعیار
انسٹی ٹیوشن سمجھتے ہیں۔ لیکن۔ یہ وہ شعراء ہیں جو پورے دروازے
سے مشاعروں میں داخل ہوئے ہیں اور کھوٹے سکے کی طرح رَد
ہو کر واپس چلے گئے، یہ صحیح ہے کہ بعض دفعہ معمولی اشعار پر
مشاعرے میں زور سے داد مل جاتی ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ کہ مشاعرہ
ایک ساقط المعیار انسٹی ٹیوشن ہے صرف وہی نقاد اور محقق
حضرات نکال سکتے ہیں جنہوں نے مشاعرے میں شرکت کیلئے
سر دھڑ کی بازی لگا دی لیکن مشاعرے کے سامعین نے انہیں

قبول نہ کیا .... اور وہ مایوس ہو کر شاعری کے خلاف جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے لگے۔ منظر بھوپالی نے شاید انہیں بزرگوں کے لئے کہا ہے ؎

آپ سب پیڑوں کی صورت کیوں کھڑے ہیں راہ میں
اے بزرگانِ زمانہ راستہ دے دیجئے

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ منظر نے ایسے لوگوں کو پیڑ کہہ کر ان کے ساتھ بڑی رعایت کی ہے۔ دراصل ایسے بزرگوں کو تو اینٹ پتھر کہہ کر ان سے خطاب کرنا چاہئیے..... ویسے بھی ایسے "بزرگانِ ادب" کا رویہ نئی نسل کے شعراء کے لئے جس کرب کا باعث بنتا ہے وہ کرب منظر کے یہاں قدم قدم پر نظر آتا ہے۔ اور یہ کوئی منظر کا ذاتی کرب نہیں ہے بلکہ ہماری نسل کے قریب قریب تمام اچھے شعراء کا اجتماعی کرب ہے جس کا اظہار منظر نے کئی موقعوں پر کیا ہے مثلاً ؎

ختم ہو جائیں اُمنگیں یہ ستم مت کرنا
باغبانو۔ نئی شاخوں کو قلم مت کرنا

کوئی سمجھائے ان بزرگوں کو
آج کی نسل بے ادب کیوں ہے

اور مقامِ مسرت ہے کہ منظر اس صورتِ حال سے مایوس نہیں ہوئے بلکہ بزرگوں کے اس رویہ کا ردِ عمل ان کے یہاں اس خوبصورت انداز میں ظاہر ہوا۔ ؎

آندھیاں زور دکھائیں بھی تو کیا ہوتا ہے
گُل کھِلانے کا ہُنر بادِ صبا جانتی ہے

حیرت ہے کہ ان نقادانِ فن اور محققین ادب کو یہ حقیقت نظر نہ آئی کہ یہ مشاعرے کے سامعین ہی ہیں جنہوں نے جوش، جگر، فراق، محروم، حفیظ جالندھری، عبدالحمید عدم، سکندر علی وجد، رئیس امروہوی، احمد ندیم قاسمی، قتیل شفائی، حمایت علی شاعر، کشور ناہید، اشفاق حسین، احمد فراز، افتخار عارف، عطاالحق قاسمی، محسن رضوی، فیض، سردار جعفری، مخدوم، مجروح سلطانپوری، شاذ تمکنت، ساحر لدھیانوی، جانثار اختر، کیفی اعظمی، ملک زادہ منظور احمد، بشیر بدر، راحت اندوری اور کتنے ہی صفِ اول کے شعراء کو مشاعروں میں ساری ساری رات جاگ کر سنا ہے اور ان میں سے کوئی شاعر ایسا نہیں ہے جس پر آج اردو شاعری اور اردو ادب فخر نہ کرتا ہو۔

منظر بھوپالی مشاعرے کے ان کامیاب شعراء میں سب سے کم عمر شاعر ہیں لیکن اسی خاندان کے فرد ہیں جس کے بعض افراد کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے۔ منظر بھوپالی کے کلام کے تیور بتا رہے ہیں کہ مشاعروں میں ان کی کامیابی کوئی وقتی اور نمائشی شے نہیں ہے بلکہ یہ دراصل ان کے کلام کی دلکشی ہے۔ اس کے فنی محاسن ہیں، حالاتِ حاضرہ کے ساتھ ان کے کلام کا ربط ہے، اور عصری حسیت کے ساتھ گہرا لگاؤ ہے جس کی بدولت

ان کا کلام جس طرح قاری کے دل میں اُتر جاتا ہے اسی طرح سامع کو متاثر اور مسحور کرتا ہے اور چونکہ میں کئی برس سے ہندو پاک کے مشاعروں میں ان کا کلام سُنتا چلا آ رہا ہوں اور رسائل میں بھی دیکھنے کا موقع مل جاتا ہے اس لئے کہہ سکتا ہوں کہ ان کا فن لمحہ بہ لمحہ روز بہ روز ترقی پذیر ہے۔ اور اب یہ اطلاع میرے لئے نہایت مسرت کا باعث ہے کہ عنقریب منظر کا پہلا مجموعۂ کلام "یہ صدی ہماری ہے" اشاعت پذیر ہو کر منظرِ عام پر آ رہا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اُردو دنیا اس مجموعہ کا ذوق و شوق سے استقبال کریگی اور صرف یہی نہیں کہ یہ مجموعہ بعد میں آنے والے ان کے شعری مجموعوں کا پیش خیمہ ثابت ہوگا بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ منظر اپنے سامعین سے بھی اپنا رشتۂ شعر خوانی استوار رکھیں گے اور ہندوستان و پاکستان کے باہر جس جس ملک میں اُردو نے اپنا گھر بسایا ہے ان کا کلام اسی توجہ اور اسی محبت سے سُنا جائے گا جس توجہ اور محبت سے ہندوستان اور پاکستان میں سُنا جاتا ہے۔

جگن ناتھ آزاد

شعبۂ اُردو جموں یونیورسٹی جموں

۹ ستمبر ۱۹۸۳ء

نوجوان غزل گو شعراء کے کلام میں جو ذہنی پیچیدگیاں اور جذباتی شکست وریخت کی کیفیت محسوس ہوتی ہے، اس کا سبب عصرِ حاضر کے نفسیاتی محرکات ہیں۔ منظر کی غزلیات بھی اسی ذہنی ہیجان کی ترجمان ہیں ان کے یہاں جذبات اور احساسات کا نیا پن اور طرفگی اور انفرادیت پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے انداز کا نرالا شاعر ہے جو اپنے مخصوص لہجہ اور آہنگ کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔

رئیس امروہوی

کراچی (پاکستان)

منظر کی حوصلہ مند طبیعت چند مشاعروں پر اپنی چھاپ چھوڑ کے مطمئن نہیں ہو سکی وہ ایک صدی پر اپنی چھاپ چھوڑنا چاہتے ہیں۔ منظر کی اس اولعزمی میں وہی معصومیت ہے جو اس بچے کی ہمکنے میں پائی جاتی ہے جو چاند کو پکڑنے کیلئے ماں کی گود میں بار بار ہمکتا ہے۔

مشاعروں کے نام پر آجکل جو میلے ہوتے ہیں ان میں کامیابی کیلئے منظر کی آواز کافی تھی خوش گلوئی کے ساتھ ساتھ اُن کے یہاں فکر بھی پائی جاتی ہے وہ اپنے ماحول، اپنے زمانے سے باخبر بھی ہیں.... چالیس بیالیس سال کی آزادی نے ہندوستانی عوام کو کیا دیا ہے یہ عصری شاعری کا خاص مضمون ہے۔

منظر کو حق پہنچتا ہے کہ وہ بڑے سے بڑے شاعر سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کریں اگر وہ ایسا کریں تو میری دعائیں اُن کے ساتھ ہیں لیکن ان کو یہ بات کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ کسی سے آگے بڑھنے کیلئے اس کے برابر آنا بہت ضروری ہے۔

کیفی اعظمی

مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ منظر بھوپالی کا پہلا شعری مجموعہ "یہ صدی ہماری ہے" منظرِ عام پر آرہا ہے۔ منظر ایک خوش فکر شاعر ہیں جن سے اُردو ادب کو کافی توقعات ہیں۔ مجھے یقین ہے ان کا یہ مجموعہ ہر لحاظ سے شرفِ قبولیت کا حامل ہوگا۔ میری دعا ہے کہ "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"۔

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

شاعر آپ بیتی کو جگ بیتی یا کائناتی حقائق کو ذاتی بنا کر اُس اسلوب میں پیش کرتا ہے جو جمالیاتی ہوتے ہوئے بھی قابلِ فہم ہے اس لئے مجھے کہنے دیجئے کہ منظر نے روایت سے روشنی اور تجربے سے تازگی لے کر اپنی شاعری کو تارِ دہر دو رنگ بنا دیا ہے ان کی شاعری میں ایک طرف رومان کی قوسِ قزح کھلی ہوئی ہے ــــ اور دوسری طرف حقائق اور عصری زندگی کی دھوپ چھاؤں آنکھ مچولی کھیل رہی ہے منظر بھوپالی نے زندگی اور زمانے کے ہر تجربے کو اپنی ذات کے حوالے سے قبول کیا ہے اور شعری روایات کے وسیلے سے واپس کیا ہے، انکے اکثر اشعار اس خصوصیت کے آئینہ دار ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہی منظر کی غزلیہ شاعری کا منظر نامہ بناتے ہیں۔ محبّت اور حقیقت کی کشمکش ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی! اس کشمکش کا فنکارانہ اظہار بھی ہوتا رہے گا ــــ مجھے خوشی ہے کہ منظر نے اس تضاد اور تصادم، کشمکش اور آویزش کے غزلیہ اظہار پر اپنے وجود کے تجربے کی مہر لگانے کی حتی الوسع کوشش کی ہے یہی ان کی شاعری کا جواز ہے۔

پروفیسر عنوان چشتی
شعبۂ اُردو جامعہ ملیہ اسلامیہ دلی

حیرت کی بات کیا ہے کہ اتنی کم عمر میں منظر بھوپالی مشاعروں کا شہزادہ بن گیا اور اسکی آواز نے بہت جلد ان گونگے ناقدین کو متاثر کیا جو فنکار کی تصویر فریم کی قیمت دیکھکر بناتے ہیں کیٹس نے ۲۴، ۲۵ سال کی عمر میں اپنی رومانی شاعری کا سکہ جمایا۔ دیا شنکر نسیم نے تقریباً اسی عمر میں اُردو ادب میں اپنا مقام محفوظ کر لیا محی الدین احمد صرف دس برس کی عمر میں مولانا ابوالکلام آزاد بن گئے اور تاجدارِ علم وادب کہلائے منظر بھوپالی بھی جادوؤں کا مجموعہ ہے صورت اور سیرت کا جادو کلام اور آواز کا جادو یہی وجہ ہے، کہ منظر آج کا سب سے مقبول نوجوان شاعر ہے۔ کیف بھوپالی

منظر نے اپنی غزل میں وہ لوازمات بھی شامل کئے جن میں فوری ابلاغ کی قوت ہوتی ہے تاکہ شعر عام سامعین کو فی الفور متاثر کر کے اُنھیں دادو تحسین کا خراج پیش کرنے پر مجبور کرے اور اسی کے ساتھ منظر نے اپنی غزل میں وہ فنی خصوصیات اور ادبی امتیازات بھی آمیز کئے ہیں جن کے بغیر شعر میں اگلی نسل تک سفر کرنے کی قوت نہیں رہ جاتی اور جن سے محروم رہ کر غزل محض وقتی چیز بن جاتی ہے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ وہ اپنی غزل کی غنائیت اور نرم آہنگی، لہجے کی معصومیت اور شگفتگی اور خیالات کی پاکیزگی اور مقصدیت آمیز حقیقت پسندی جیسے اوصاف کے پیشِ نظر عوام میں اور مقبول ہوں گے نیز خواص کی نگاہوں میں زیادہ بہتر جگہ بنائیں گے۔

ڈاکٹر مظفر حنفی
شعبۂ اُردو جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

اچھی شاعری ہمیشہ مقدس سنجیدگی کی پاسدار ہوتی ہے، وہ ہماری تہذیبی اور ثقافتی متانت کیلئے سرمایۂ افتخار بنتی ہے۔ لیکن اِدھر کچھ دنوں سے

سستی اور جذباتی شاعری کا رواج عام ہوگیا ہے، بھولے بھالے، سیدھے سادے، اور سادہ لوح قارئین اور سامعین پر عالمِ وجدطاری ہوجاتا ہے اور ایک مہمل بات بھی جادو کا اثر کرنے لگتی ہے خوشی ہے کہ منظر بھوپالی کی شاعری عام رَوِش سے ہٹ کر اپنی راہ نکال رہی ہے منظر کی شاعری میں جدید تغزّل کے روشن امکانات ہیں، خدا کرے وہ اپنی انفرادیتِ فن کو قائم رکھ سکیں، کیونکہ وہ اُردو غزل کے آسمان و زمین کے مابین شیشے کا بدن لے کر چٹانوں پر کھڑے ہیں اور حقیقت میں یہ ارض و سما اُن کے وجودِ فن کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے نظر آتے ہیں اسی لئے وہ لیلائے انسانیت کے عارضِ گلُ رُو پر غازۂ حیات ملنے کا ہُنر جانتے ہیں۔

سیّد فضل امام

ریڈر ڈپارٹمنٹ آف اُردو الٰہ آباد یونیورسٹی الٰہ آباد

منظر کے شعروں میں جس کردار سے تعارف ہوتا ہے وہ حسّاس ہے، دردمند ہے اور اس کا شعری ذہن اپنے عہد کے گرم و سرد سے آگاہ ہے، جی ہوئی سانسوں کو الفاظ بنانے کا عمل اِس کا تخلیقی رجحان ہے۔

ندا فاضلی

منظر بھوپالی نہ رسالوں کے جدید روایتی شاعروں کی طرح آدم بیزار اور بیمار تنہائی اور مایوسی کا رونا روتے ہیں اور نہ مشاعرے کے شعروں کی طرح معصوم انسانوں کے جذبۂ تعصب سے کھیلتے ہیں۔ دراصل ان کی فکر آج کے ایک مخلص

باحوصلہ اور ذہین نوجوان کی غزل بنکر ہمارے ذہن و دل کو چھونے میں کامیاب ہے۔

ڈاکٹر بشیر بدر

علامہ اقبال کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ اقبال ہمیشہ دیر سے آتا ہے لیکن ہر قول میں مستثنیات بھی ہوتے ہیں اور ہمارا مشاہدہ ہے کہ اقبال جلد بھی آجاتا ہے۔ ان ہی مستثنیات میں منظر بھوپالی کو شمار کرتا ہوں۔ چند سال قبل منظر بھوپالی اُردو شاعری کے افق پر درخشندہ ستارے کی شکل میں نمودار ہوئے اور جلد ہی اپنی تابناکی سے انھوں نے شعروادب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو اپنی طرف اس طرح متوجہ کرلیا اور وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئے ہیں، زیادہ نگاہیں ان کی طرف اس طرح اُٹھنے لگی ہیں کہ جس سے مستقبل میں ان سے اُمیدیں قائم کی جانے لگی ہیں۔

سید شریف الحسن نقوی

سکریٹری اُردو اکادمی دہلی

گذشتہ چار پانچ برسوں میں منظر کو بھوپال، کراچی، پھر دوبئی اور ابوظہبی وغیرہ کے بین الاقوامی مشاعروں میں سُننے اور قریب سے دیکھنے کا موقع مِلا، وہ جتنا اچھا کہتے ہیں اُس سے اچھا پڑھتے ہیں، اسطرح اِن کے کلام کی اثر پذیری اور بڑھ جاتی ہے۔ ان کی غزل روایت کی پاسداری کے ساتھ جدید انداز میں بات کہنے کے سلیقے کی آیئنہ دار ہے۔

محسن بھوپالی (کراچی)

منظرؔ بھوپالی نے بہت ہی قلیل عرصے میں اُردو دنیا میں جو شہرت
اور مقبولیت حاصل کی ہے وہ مثالی ہے ۔ اُن میں اچھے اور بڑے شاعر بننے
کی تمام صلاحتیں موجود ہیں ۔ میرا مشورہ ہے کہ وہ برابر اپنا مطالعہ جاری رکھیں
اور موجودہ بے راہ روی سے بچے رہیں ۔

خمارؔ بارہ بنکوی

منظرؔ کا پہلا مجموعہ کلام "یہ صدی ہماری ہے" اپنی نوعیت کے
اعتبار سے منفرد ہے ۔ خالص مشاعروں کے اچھے شاعروں کے یہاں بھی خوبیاں
ہیں اور مشاعروں سے دُور رسائل میں لکھنے والے اچھے شاعروں کے یہاں
بھی انفرادیت ہے ۔ منظرؔ بھوپالی ایک فطری شاعر ہیں ۔ اردو میں ایم ۔ اے
کر رہے ہیں اور انھوں نے غزل کی روایتی عظمتوں، عصری اور منفرد جدّتوں کا
ضرور مطالعہ کیا ہے لیکن غزل اور گیت میں ان کا اسلوب کسی دوسرے شاعر
سے ذرا بھی متاثر نہیں ہے ۔ اُن کی اسی انفرادیت نے انھیں اس کم عمری میں
اردو دنیا کا محبوب شاعر بنا دیا ہے ۔ ہندوستان کے اہم ترین مشاعروں کے
ساتھ پاکستان اور مڈل ایسٹ کے بیشتر مشاعروں میں وہ اپنی شاعری کو سُننے
والوں کے دلوں کی آواز بنا چکے ہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ خلوص، لگن، محنت
اور ریاضت ایک دن انھیں اردو شاعری کی تاریخ کا حصّہ بنا دیں گی ۔

رضاؔ رامپوری

منظر بھوپالی دیکھنے والی نظر اور محسوس کرنے والا دل رکھتے ہیں، اور اپنے مشاہدات اور محسوسات کے اظہار کا سلیقہ بھی ان کے پاس ہے۔ ایک اچھے شاعر کا اثاثہ یہی چیزیں ہوا کرتی ہیں

_______________محمور سعیدی ___

منظر بھوپالی بیسویں صدی کی آخری دہائیوں کے کرب کا مبصر اور ناقد ہے۔ اسکی غزلوں میں ہجر کا سوز اور وصل کا گداز ہے، وہ ایک نوجوان ہے مگر اس کی آنکھوں میں تجربات کے ڈورے اور مشاہدات کی سرخی ہے اس کی لَے مدھم اور اس کا لہجہ نرم ہے، اس کی غزلوں میں کلی سے پھول بننے تک کے نازک اور لطیف لمحات کا احساس ہے۔ منظر بھوپالی جذبہ کو خیال بنانے کی فنکاری سے واقف ہے اس کی غزل کا ہر مصرعہ اس کے روشن مستقبل کی قسمیں کھاتا ہے۔

_______________انور جلالپوری ___

منظر بھوپالی کا نام کئی اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے، میں یہ الفاظ انتہائی اعتماد اور ذمّے داری کے ساتھ تحریر کر رہا ہوں کہ گذرے ہوئے کل کی، روایتوں کے محاسن اپنانے کے ساتھ ساتھ آج کے پیچیدہ اور کربناک مسئلوں پر منظر کی بھرپور گرفت ہے، موجودہ زندگی کے لہو رنگ تجربات نے ان کے احساسات کو جو کچھ دیا ہے وہ ان کے فن اور ذہنی بالیدگی کیلئے تریاق کے مصداق ہے اور ان کے شعری سفر کیلئے چراغِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

_______________قیس رامپوری ___

آئینہ بولتا ہے

منظر بھوپالی

سیّد علی رضا سے منظر بھوپالی تک" قطرہ سے گہر ہونے تک"
کے جو مراحل میں نے طے کئے، زندگی کے طویل سفر میں جو موڑ، جو نشیب و فراز آئے
ان کی تمام و کمال داستان اس مختصر سے مضمون میں کہنا نہ تو ممکن ہے نہ یہ میرا
مقصودِ تحریر ہے۔ چند ایک باتیں کچھ حقائق و کوائف ہیں جنہیں الفاظ دینے کی سعی کر رہا ہوں۔

میں نے ایلچی پور (برار) حالیہ اچل پور کے ایک جاگیردار گھرانے میں آنکھ کھولی
یعنی جب میں پیدا ہوا تو میرے منہ میں چاندی کا چمچہ تھا لیکن وقت کی ہوا کا رُخ
بدلتے ہی میرے دانتوں میں حالات کی ریت کسکسانے لگی۔ جاگیرداری کے خاتمے
زمینوں کی سیلنگ اور اس درمیان جائداد کیلئے رشتہ داروں کی درندوں کی طرح
نوچ کھسوٹ سے گھبرا کر میرے والدین نے بے سرو سامانی کی حالت میں وطن کو خیرباد
کہا۔ اور پھر دونوں نے مل کر طوفانی عزم کے ساتھ حالات کے کانٹوں کو روند کر
ہماری راہوں میں پھول کھلائے ہم چار بہن بھائیوں کو خون پلا کر نہ صرف پرورش
کیا بلکہ اعلیٰ تعلیم کے زینوں پر چڑھا کر ہمیں ہماری منزل کی طرف گامزن بھی کر دیا۔

اب رہی شاعری کی بات تو وہ میرے نزدیک ذاتی اور باطنی احساسات
کا ایک خوبصورت ردِّ عمل ہے۔ جس میں انسانی سماج اپنے جذبات و افکار اور ذہنی صورتحال
کی تصویریں بھی دیکھتا ہے۔ میں نے اپنے افکار جذبات و احساسات کے اظہار اور
صورت گری کیلئے وقت تجربہ مشاہدہ اور علم کو ہمیشہ اپنا رہنما بنایا ہے۔ لیکن اس کے
ساتھ ہی یہ اعتراف بھی ناگزیر ہے کہ حضرت رضا رامپوری نے میرے شعر کی فنّی تراش
خراش کر کے اُسے سنوارا ہے نیز ذاتی زندگی میں بھی میری قدم قدم پر رہنمائی کی ہے۔

وہ میرے ایسے پُرخلوص رہنما ہیں جنہوں نے میری منزل کے نشان بنائے ہیں۔

ملک کے ممتاز سیاستداں، عوامی رہنما، شعر و ادب کے باریک بین پارکھ اور شاعر مرکزی وزیر انسانی وسائل جناب ارجن سنگھ کا تہہ دل سے مشکور و ممنون ہوں کہ انہوں نے میری شاعری کی پرکھ کر کے حکومتِ ہند کی جانب سے دو ہزار دو سو روپئے ماہانہ کا وظیفہ جاری کیا۔ اس اعزاز نے مجھے اپنے فن کو نکھارنے سنوارنے اور نئی جہت دینے کا حوصلہ عطا کیا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے جب کسی اُردو شاعر کو حکومتِ ہند نے یہ اعزاز دیا ہے۔ خدا کرے کہ یہ سلسلہ آگے بڑھے اور دیگر مستحقین تک پہونچے۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے بھائی جناب راحت اندوری، معراج فیض آبادی اور بھوپال کے ادبی دوست مشفق و مشیر جناب ظفر صہبائی، جناب سلطان کلیم، جناب مسرور محمد خاں اور جناب مستقیم بیگ کا شکریہ ادا نہ کروں کہ جنہوں نے اس کتاب کو کتاب بنانے میں میری بھرپور معاونت کی ہے۔

یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ گہوارۂ شعر و ادب بھوپال کے دیگر ادبی بزرگوں دوستوں کی یہ ناقابلِ فراموش حوصلہ افزائی اور پذیرائی ہی تھی جس نے مجھے کشمیر سے کنیا کماری، ہند سے پاکستان اور مشرقِ وسطیٰ کی فضاؤں اور آسمانوں میں اُڑنے کا حوصلہ دیا۔ اب میری پرواز کا رُخ مغربی ممالک کی جانب ہے آہستہ آہستہ میرے ہاتھ اب آکاش چھونے کے لئے بلند ہو رہے ہیں۔ لیکن خدا سے میری دُعا ہے کہ وہ میری جڑیں زمین میں ہی قائم رکھے تاکہ میں ہمیشہ سرسبز رہوں اور کبھی فراموش نہ کروں کہ میرا ضمیر اسی مٹی سے اٹھا ہے۔

آخری سطور میں یہ اعتراف بھی کرنا چاہوں گا کہ یہ میری عزّت و شہرت یہ میری زندگی میرے ماں باپ کی دعاؤں کا ثمر ہیں۔ اس کا مجھے شدّت سے احساس ہے کہ انھیں کے پیار کی مٹھاس اور انکی زندگی کی تلخیوں نے میری شاعری کو اثر پذیری کا عنصر عطا کیا ہے۔

حسن ابن علی
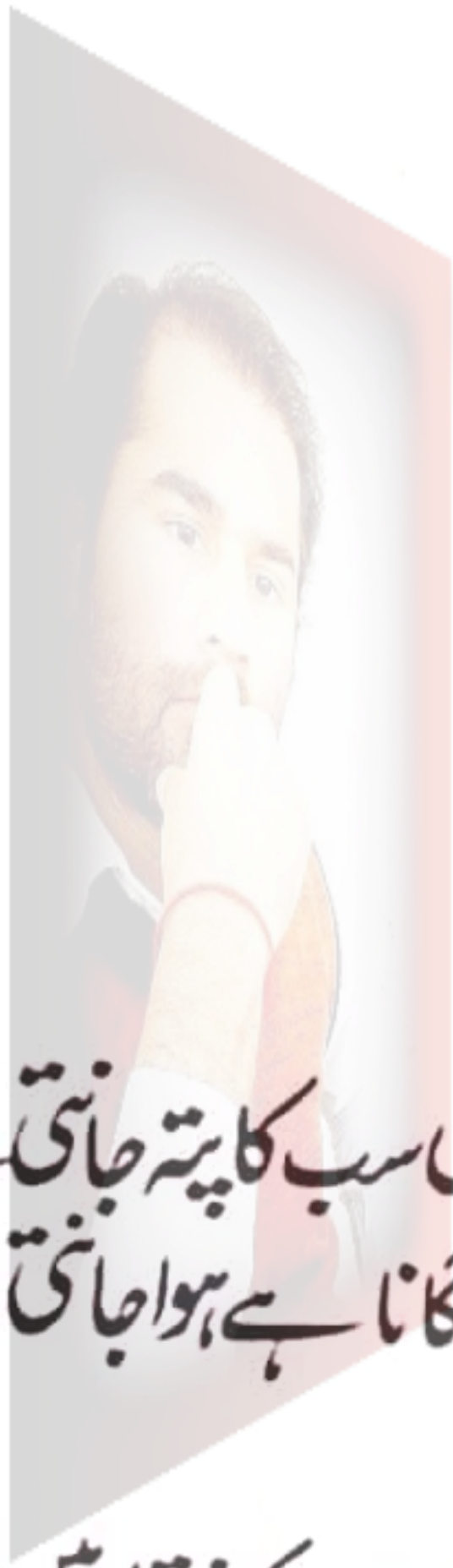
کوئی بچنے کا نہیں سب کا پتہ جانتی ہے
کس طرف آگ لگانا ہے ہوا جانتی ہے

اُجلے کپڑوں میں رہو یا کہ نقابیں ڈالو
تم کو ہر رنگ میں یہ خلقِ خدا جانتی ہے

روک پائے گی نہ زنجیر نہ دیوار کوئی
اپنی منزل کا پتہ آہِ رسا جانتی ہے

ٹوٹ جاؤنگا، بکھر جاؤنگا، ہاروں گا نہیں
میری ہمت کو زمانے کی ہوا جانتی ہے

آپ سچ بول رہے ہیں تو پشیماں کیوں ہیں
یہ وہ دنیا ہے جو اچھوں کو بُرا جانتی ہے

آندھیاں زور دکھائیں بھی تو کیا ہوتا ہے
گل کھلانے کا ہنر بادِ صبا جانتی ہے

آنکھ والے نہیں پہچانتے اُس کو منظرؔ
جتنے نزدیک سے پھولوں کی ادا جانتی ہے

دولت کا آج کل ہے اجارہ زمین پر
دشوار ہو گیا ہے گذارہ زمین پر

دامن تمہارا کیسے ستاروں سے ہم بھریں
ہم آدمی ہیں گھر ہے ہمارا زمین پر

یادیں تمہاری، خواب تمہارے، تمہارا غم
ان موسموں نے ہم کو سنوارا زمین پر

پھر چلیئے کربلا کی طرف نقدِ جاں لئے
مٹنے لگا نشان ہمارا زمین پر

اک جان ہے سو وہ بھی امانت اُسی کی ہے
کچھ بھی نہیں ہمارا تمہارا زمین پر

منظر نہیں جہان کی دولت سے کیا غرض
ماں کی دعا ہے اپنا سہارا زمین پر
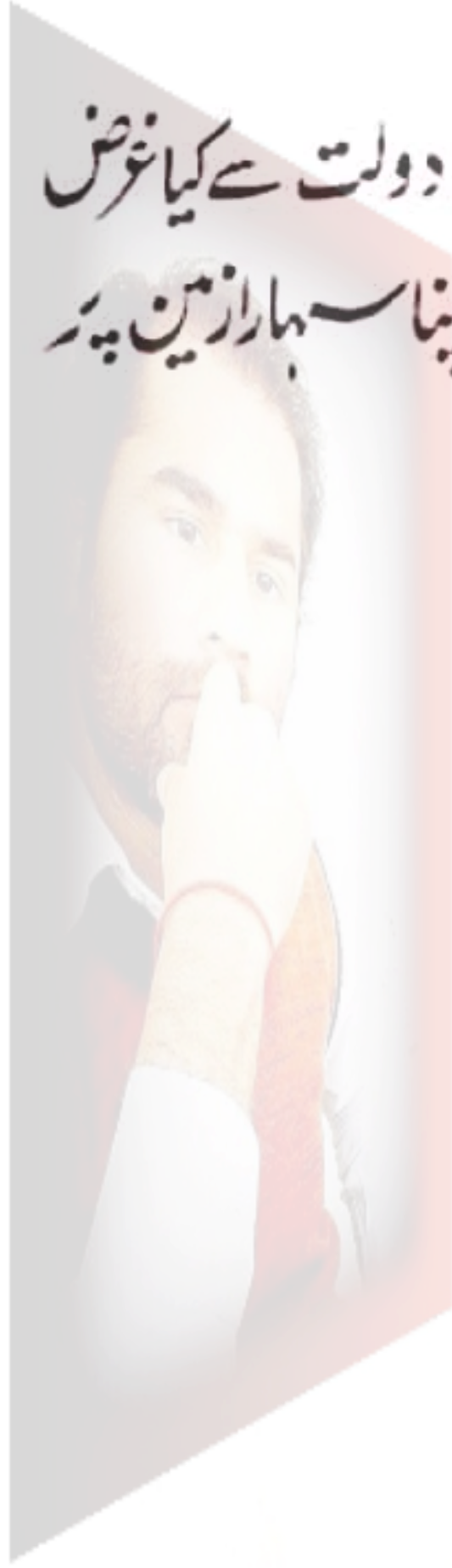
حسن ارمان

زلف و رُخ کے سائے میں زندگی گذاری ہے
دھوپ بھی ہماری ہے چھاؤں بھی ہماری ہے

غم گسار چہروں پر اعتبار مت کرنا
شہر میں سیاست کے دوست بھی شکاری ہے

موڑ لینے والی ہے، زندگی کوئی شاید
اب کے پھر ہواؤں میں ایک بیقراری ہے

اک عجیب ٹھنڈک ہے اُسکے نرم لہجے میں
لفظ لفظ شبنم ہے بات بات پیار کی ہے

کچھ تو پائیں گے اُس کی قربتوں کا خمیازہ
دل تو ہو چکے ٹکڑے اب سروں کی باری ہے

باپ بوجھ ڈھوتا تھا کیا جہیز دے پاتا
اس لئے وہ شہزادی آج تک کنواری ہے

کہہ دو میر و غالب سے ہم بھی شعر کہتے ہیں
وہ صدی تمہاری تھی یہ صدی ہماری ہے

کربلا نہیں لیکن جھوٹ اور صداقت میں
کل بھی جنگ تھی منظر اب بھی جنگ جاری ہے
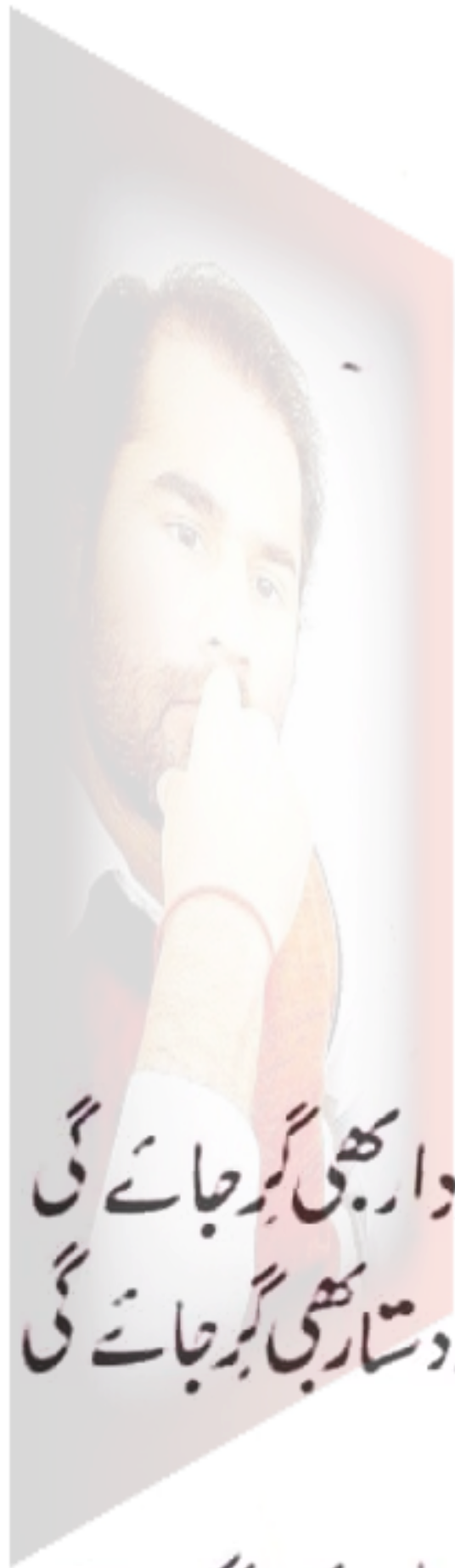
اب اگر عظمتِ کردار بھی گر جائے گی
آپ کے سر سے یہ دستار بھی گر جائے گی

بہتے دھارے تو پہاڑوں کا جگر چیرتے ہیں
حوصلہ کیجیے یہ دیوار بھی گر جائے گی

سرفروشی کا جنوں آپ میں جاگا جس دن
ظلم کے ہاتھ سے تلوار بھی گر جائے گی

ریشمی لفظوں میں قاتل سے نہ باتیں کیجے
ورنہ شانِ لبِ گفتار بھی گر جائے گی

روشنی کیلئے شعلوں میں نہا لو ورنہ
اب کے سر پہ یہ شبِ تار بھی گر جائے گی

صنعتِ تیشہ گری اتنی نہ ارزاں کیجے
ایک دن قیمتِ بازار بھی گر جائے گی

اپنے پُرکھوں کی وراثت کو سنبھالو ورنہ
اب کی بارش میں یہ دیوار بھی گر جائے گی

ہم نے یہ بات بزرگوں سے سُنی ہے منظرؔ
ظلم ڈھائے گی تو سرکار بھی گر جائے گی
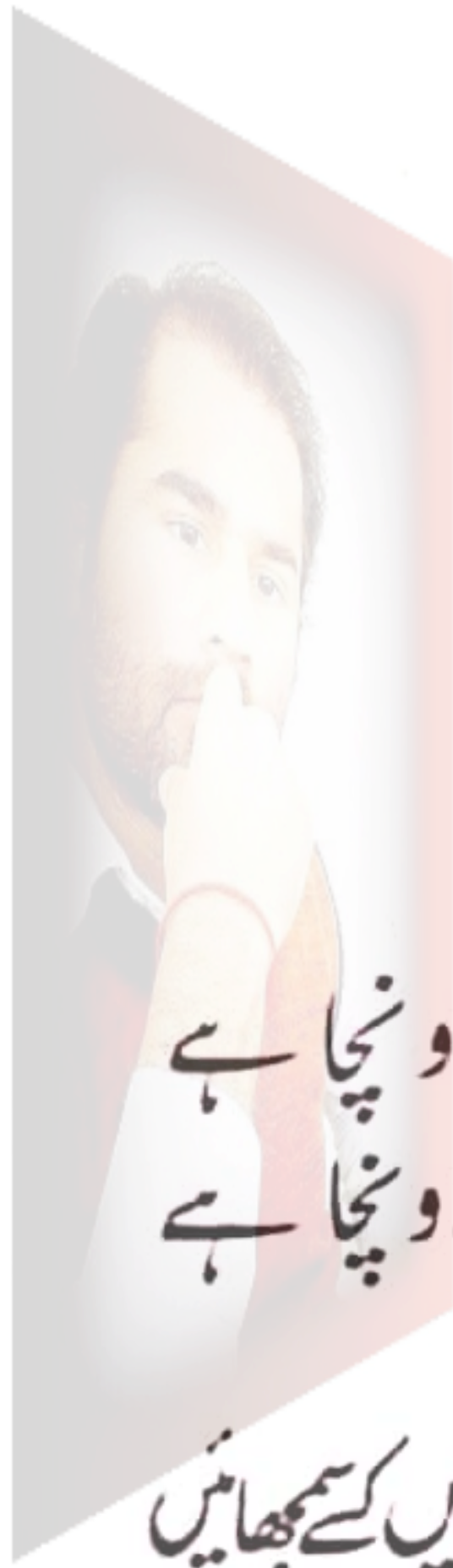
تمہارا نام کہ نام و نسب سے اونچا ہے
ہمارا سر تو ہمارے سبب سے اونچا ہے

اس اندھے شہر میں کس سے کہیں کیسے سمجھائیں
صداقتوں کا یہ سورج تو کب سے اونچا ہے

یہ آدمی ہے کہ شیطان جس سے شرمندہ
یہ آدمی ہے جو دنیا میں سب سے اونچا ہے

ضمیر بیچنے والے ضمیر بیچ مگر
ذرا یہ سوچ کہ تو کس سبب سے اونچا ہے

اُتارے جاؤ گے جب تخت سے تو جانو گے
بٹھانے والا ہی دراصل سب سے اونچا ہے

وہ سر تو نیزے پہ رکھا گیا ہے سورج ہے
یہی سبب ہے کہ دیوارِ شب سے اونچا ہے
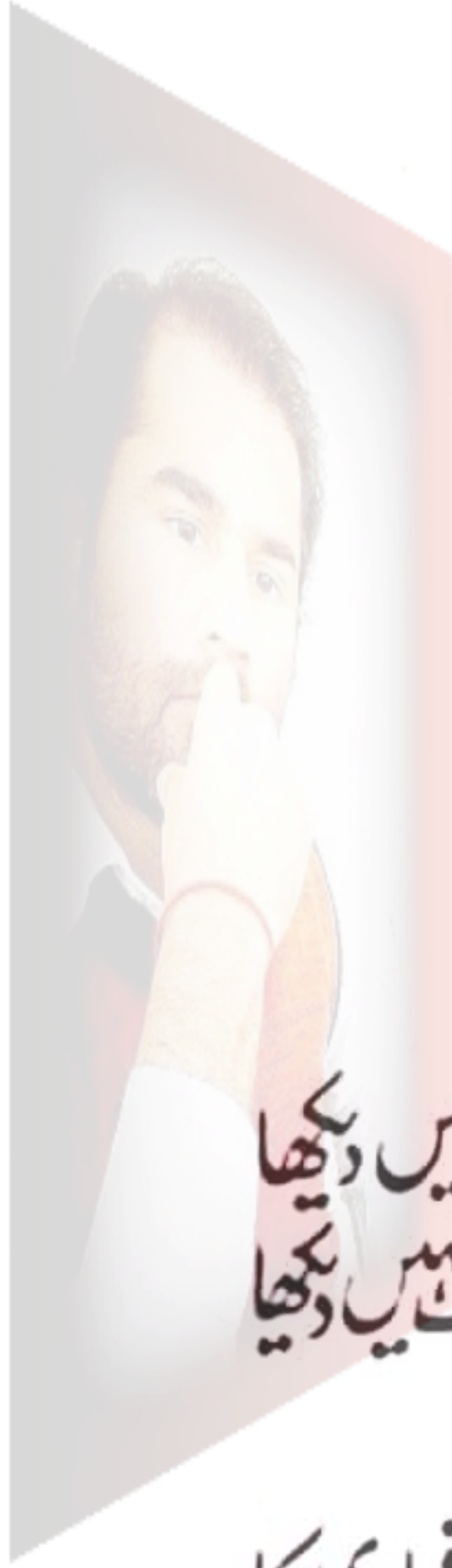
سحر نے اندھی گلی کی طرف نہیں دیکھا
جسے طلب تھی اُسی کی طرف نہیں دیکھا

قلق تھا سب کو سمندر کی بے قراری کا
کسی نے مڑ کے ندی کی طرف نہیں دیکھا

پچوکے دیتی رہیں غربتیں مجھے لیکن
مری انا نے کسی کی طرف نہیں دیکھا

سفر کے بیچ یہ کیسا بدل گیا موسم
کہ پھر کسی نے کسی کی طرف نہیں دیکھا

تمام عمر گزاری خیال میں جس کے
تمام عمر اسی کی طرف نہیں دیکھا

یزیدیت کا اندھیرا تھا سارے کوفے میں
کسی نے سبطِ نبی کی طرف نہیں دیکھا

جو آئینے سے ملا آئینے پہ جھنجھلایا
کسی نے اپنی کمی کی طرف نہیں دیکھا

تبدیلی نہیں کی کوئی کردار میں اُس نے
سب داغ چھپا رکھے ہیں دستار میں اُس نے

وہ خود تو فرشتہ ہے یہ اوروں کیلئے ہیں
آئینے سجائے ہیں جو دربار میں اُس نے

اب اپنی پہنچ سے وہ بہت دور نہیں ہے
سُورج کو چھپا رکھا ہے جس غار میں اُس نے

پھر میری خبر گیری کو واپس نہیں آیا
ٹھہرا تو دیا سایۂ دیوار میں اُس نے

اب دیکھئے کس رنگ سے اُٹھتی ہے قیامت
سچ کہہ تو دیا شہرِ گنہگار میں اُس نے

بیچارے نے قیمت تو چکائی تھی گلوں کی
انگارے رکھے دستِ خریدار میں اُس نے

موسم وہ چاہتوں کے نہ جذبات رہ گئے
اک خواب بن کے پیار کے لمحات رہ گئے

کاغذ پہ داستانِ ستم آ گئی مگر
ہو کر لہو لہان میرے بات رہ گئے

سارا سکون گاؤں کی بانہوں میں آ گیا
شہروں کی قِسمتوں میں فسادات رہ گئے
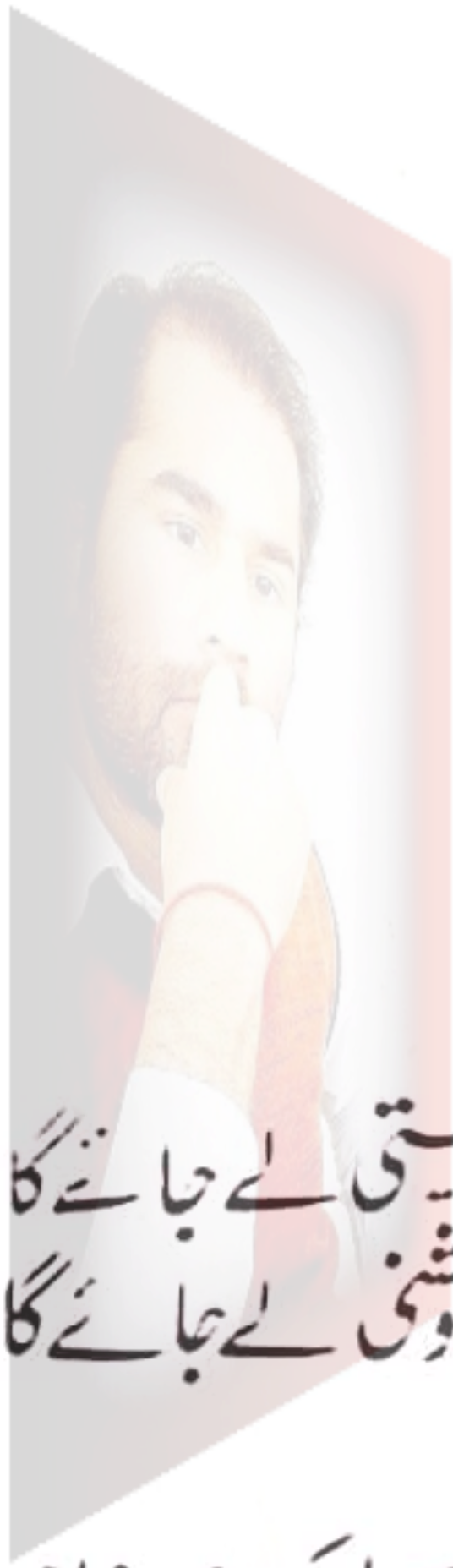
یہ مرا نغمہ پیامِ دوستی لے جائے گا
جائیگا سورج جہاں بھی روشنی لے جائے گا

معجزہ دکھلائے گا دستِ مسیحا ایک دن
میرے دل سے زخم آنکھوں سے نمی لے جائیگا

خوف تھا اپنوں سے لیکن یہ خبر مجھ کو نہ تھی
لوٹ کر خوشیاں مری اک اجنبی لے جائے گا

لفظ حیراں استعارے دم بخود رہ جائیں گے
وہ ابھی چہرہ دِکھا کر شاعری لے جائے گا

دیکھنا مغرور چہروں کی چمک بجھ جائے گی
وقت جس دن شہرتوں کی چاندنی لے جائے گا

کتنی ہی قوت دِکھائے لشکرِ ابنِ زیاد
جنگ پر سبقت مگر ابنِ علی لے جائے گا

اس سے مت نظریں ملا چڑھتا ہوا سورج ہے وہ
چھین کر آنکھوں سے تیری روشنی لے جائیگا

ختم ہو جائیں امنگیں یہ ستم مت کرنا
باغبانو، نئی شاخوں کو قلم مت کرنا

فن کی سچائی پہ انسان کا ایماں ہے ابھی
فن کا بیوپار کبھی اہلِ قلم مت کرنا

دوستی کہتے ہیں اسکو کہ جھکے سر اٹھیں
سر جھکا دے جو کسی کا وہ کرم مت کرنا

آدمیت کو بچانے کا اگر آئے سوال
ایسے عالم میں غمِ دیر و حرم مت کرنا

رونے والے پہ ہنسا کرتی ہے دنیا پیارے
اپنی آنکھوں کو کسی حال میں نم مت کرنا

حوصلہ ہو تو اڑانوں میں مزا آتا ہے
پر بکھر جائیں ہواؤں میں تو غم مت کرنا

زندگی جہد و عمل سے ہے عبارت منظرؔ
مشکلیں راہ میں آئیں بھی تو غم مت کرنا

تمہیں چھونے کا مطلب روشنی سے جگمگانا ہے
تمہارا جسم کیا ہے بجلیوں کا آشیانہ ہے

یہ تیور بے رُخی کے دوستو چہرے سے دھو ڈالو
اگر آنکھوں میں بسنا ہے اگر دل میں سمانا ہے

ستارے آنسوؤں کے پھول زخموں کے سجا ڈالو
چمن ویران مت رکھنا بہاروں کا زمانہ ہے

حسن عباس رضا

وہ سارے پھول سے چہرے تلاش رزق میں گم ہیں
جنھیں تتلی پکڑنا ہے جنھیں اسکول جانا ہے

یہاں تو پیار کرنے کیلئے بھی چاہیئے موسم
ابھی سینے سے مت لگیۓ ابھی دل بے ٹھکانا ہے

چراغ و برگ دشت و شہر سب کو فکر ہے اپنی
نہ جانے کس طرف اب کے ہواؤں کا نشانہ ہے

ہمارا شہر دنیا میں انوکھا شہر ہے منظر
یہاں ہر غم حقیقت ہے مسرت اک فسانہ ہے

بے عمل کو دنیا میں راحتیں نہیں ملتیں
دوستو دُعاؤں سے جنّتیں نہیں ملتیں

جو پرند آندھی کا سامنا نہیں کرتے
اُن کو آسمانوں کی رفعتیں نہیں ملتیں

اس نئے زمانے کے آدمی ادھورے ہیں
صورتیں تو ملتی ہیں سیرتیں نہیں ملتیں

اپنے بل پہ لڑتی ہے اپنی جنگ ہر پیڑھی
نام سے بزرگوں کے عظمتیں نہیں ملتیں

اس چمن میں گُل بوٹے خوں سے بھی نہاتے ہیں
سب کو ہی گلابوں کی قسمتیں نہیں ملتیں

شہرتوں پہ اترا کر خود کو جو خدا سمجھیں،
منظر ایسے لوگوں کی تربتیں نہیں ملتیں

ہم اپنے آپ کی پہچان لے کے آئے ہیں
نئے سخن نئے امکان لے کے آئے ہیں

ہوا نے وار کیا تو جواب پائے گی
کہ ہم چراغ بھی طوفان لے کے آئے ہیں

چراغِ قرب سے کر دیجئے انھیں روشن
بجھے بجھے سے کچھ ارمان لے کے آئے ہیں

جواب دے نہ سکے گا ہماری باتوں کا
کہ آپ آئینہ حیران لے کے آئے ہیں

ان آنسوؤں کا کوئی قدر دان مل جائے
کہ ہم بھی میر کا دیوان لے کے آئے ہیں

ہمارے پاس فقط دستوپ ہے خیالوں کی
جھلتے خوابوں کی دوکان لے کے آئے ہیں

جب سے تم بچھڑے ہو پت جھڑ راس رچاتے رہتے ہیں
سارے موسم میرے گھر میں خاک اڑاتے رہتے ہیں

آپ سے کیا اُمید رکھیں ہم تبدیلی لے آنے کی
آپ پرانی تصویروں میں رنگ لگاتے رہتے ہیں

کام پڑے ہیں کتنے ادھورے پر لوگوں کا حال یہ ہے
داغ دکھاتے رہتے ہیں یا زخم سجاتے رہتے ہیں

آئے گا اپنا بھی زمانہ ہم بھی راحت دیکھیں گے
ترسے ہوئے بچوں کو اپنے یہ سمجھاتے رہتے ہیں

سیدھے سچے جی لینا تو دنیا میں ناممکن ہے
موقع دیکھ کے ہم بھی سب سے ہاتھ ملاتے رہتے ہیں

اہلِ سیاست کس کے ہوئے ہیں اُن سے توقع مت رکھیئے
موسم تو آخر موسم ہیں آتے جاتے رہتے ہیں

پیار ، وفا ، ہمدردی ، یاری منظر سب کچھ دیکھ لیا
ٹوٹے شیشے دل میں چبھ کر خون رُلاتے رہتے ہیں
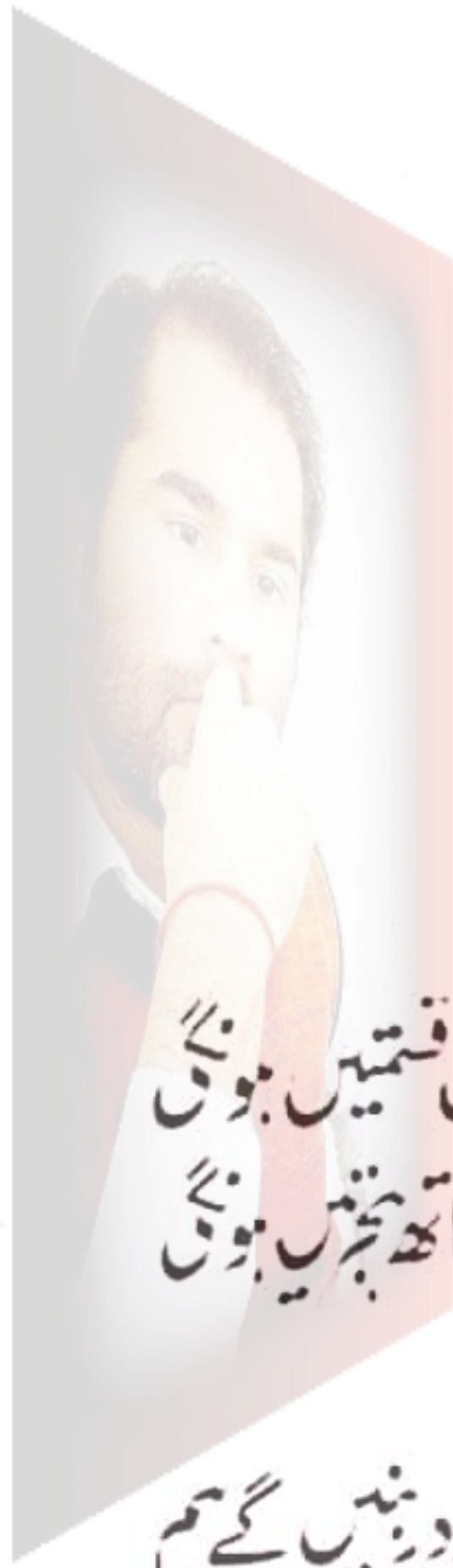
وطن نصیب کہاں اپنی قسمتیں ہوں گی
جہاں بھی جائیں گے ہم ساتھ ہجرتیں ہوں گی

کبھی تو صاحبِ دیوار و در بنیں گے ہم
کبھی تو سر پہ ہمارے نئی چھتیں ہوں گی

یہ اشک تیرے میرے رائیگاں نہ جائیں گے
انہیں چراغوں سے روشن محبتیں ہوں گی

ہم اُن کے سامنے سچ بولنے کے مجرم ہیں
ہمیں پہ وقت کی ساری عنایتیں ہونگی

ہمیں تو اپنے مسائل کا حل بھی ہے درکار
تمہارے پاس تو خالی بشارتیں ہونگی

وہاں پہ قافلے بھٹکیں گے طے ہے یہ منظر
جہاں اصول سے خالی قیادتیں ہونگی

یہاں خوابوں کی ارزانی بہت ہے
اس آبادی میں ویرانی بہت ہے

سروں پر خواب اوڑھے جا رہے ہیں
یہاں سورج کی تابانی بہت ہے

مبارک تمکو خوشیوں کے خزانے
مجھے تو غم کی سلطانی بہت ہے

ہوسِ دریا کی ہو گی اہلِ زر کو
ہمیں دو گھونٹ ہی پانی بہت ہے

قصیدے پڑھنے والوں میں نہیں ہوں
مجھے تو چاک دامانی بہت ہے

پرندے زخم کھا کر اڑ رہے ہیں
ہواؤں کو پشیمانی بہت ہے

میں سچے لفظ ہی لکھتا ہوں منظرؔ
مِری باتوں میں نادانی بہت ہے

جوان ہوتی ہوئی لڑکیاں ہیں اور میں ہوں
بلا کی بہکی ہوئی آندھیاں ہیں اور میں ہوں

جدھر بھی دیکھو اُدھر چاند جگمگاتے ہیں
کہ شہر بھر کی کھُلی کھڑکیاں ہیں اور میں ہوں

میری صداؤں کے خنجر مجھے ہی لگتے ہیں
یہ پتھروں کی نئی بستیاں ہیں اور میں ہوں

یہ میری ذات ہے مرکز ہر ایک طوفاں کا
مجھے جھنجھوڑتی تبدیلیاں ہیں اور میں ہوں

چراغِ راہگذر بن کے یہ صلہ پایا
ہوا کی چاروں طرف برچھیاں ہیں اور میں ہوں

مجھے نجات کی گنگا کہیں نہیں ملتی
حسین خوابوں کی یہ تتھیاں ہیں اور میں ہوں

یہ میرے پاؤں کے چھالے، یہ تشنگی یہ دھوپ
وہی سفر ہے، وہی سختیاں ہیں اور میں ہوں

آج بہت دکھ ہے کل تو سنور جائے
جو کبھی گذرنی ہے ہم پہ گذر جائے

لاکھ جتن کر کے رو کے مجھے دنیا
بہتا ہوا پانی کیسے ٹھہر جائے

شام اُداسی کی اُتری ہے آنگن میں
تو جو ذرا ہنس دے رنگ بکھر جائے

بھوک سے بچہ کا سہما ہوا چہرہ
جیسے دیا کوئی رات سے ڈر جائے

نوچ لیا دل بھی آپ نے سینے سے
درد کہاں اُترے زخم کدھر جائے

لوگ بہت خوش ہیں کاغذی پھولوں سے
اب مرے زخموں پر کس کی نظر جائے

اُس کے لئے کوئی شمع نہیں جلتی
کِس کیلئے منظر شام سے گھر جائے

چاہتے ہم بھی تھے کہا نہ گیا
فاصلہ ان سے بھی رکھا نہ گیا

وہ تو نظریں جھکائے بیٹھے تھے
کچھ مگر ہم سے ہی کہا نہ گیا

آسماں ان کے زیرِ پا آیا
ہار کر جن کا حوصلہ نہ گیا

بن گیا ہر یزیدِ وقت کی موت
رائیگاں خونِ کربلا نہ گیا

عمر بھر لذتیں چکھیں لیکن
ان کے ہونٹوں کا ذائقہ نہ گیا

اُس نے تدبیر کی بہت لیکن
زخمِ دیوار کا بھرا نہ گیا

میری منزل ہے اس طرف منتظر
جس طرف کوئی راستہ نہ گیا

زندگی جینے کا پہلے حوصلہ پیدا کرو
صرف اونچے خوبصورت خواب مت دیکھا کرو

دکھ اندھیروں کا اگر مٹتا نہیں ہے، ذہن سے
رات کے دامن کو اپنے خون سے اجلا کرو

خود کو پوشیدہ نہ رکھو بند کلیوں کی طرح
پھول کہتے ہیں تمہیں سب لوگ تو مہکا کرو

زندگی کے نام لیوا موت سے ڈرتے نہیں
حادثوں کا خوف لیکر گھر سے مت نکلا کرو

رہنما یہ درس ہمکو دے رہے ہیں آجکل
بیچ دو سچائیاں ایمان کا سودا کرو

طیش میں آنے لگے تم تو مری تنقید پر
اس قدر حساس ہو تو آئینہ دیکھا کرو

شبِ غم میں سنہرے دن کی تعبیریں بناتے ہیں
کہ ہم زخموں سے مستقبل کی تصویریں بناتے ہیں

یہاں پر اہلیت کو پوچھنے والا نہیں کوئی
سلامی دینے والوں کی وہ تقدیریں بناتے ہیں

ہمارے سر پھرے جذبات قیدی بن نہیں سکتے
ہواؤں کیلئے کیوں آپ زنجیریں بناتے ہیں

ہزاروں لوگ خالی پیٹ ہیں اس شہر میں پھر بھی
یہاں کھادی پہن کر لوگ جاگیریں بناتے ہیں

ہمارا آج کا دُکھ رہنما بیچارے کیا جانیں
یہ جادوگر تو مستقبل کی تصویریں بناتے ہیں

ہم اہلِ فن دلوں کا جوڑنے والے پیمبر ہیں
نہ دیواریں اُٹھاتے ہیں نہ زنجیریں بناتے ہیں

یقیں ہے مجھ کو بازی جیتنے کا فتح میری ہے
میں گلدستے بناتا ہوں وہ شمشیریں بناتے ہیں

جب ہے دریا تو عصا بھی چاہیئے
خواہشوں کو راستہ بھی چاہیئے

صرف راحت بے حسی کا نام ہے
زندگی کو حادثہ بھی چاہیئے

پاس ہو تم پھر بھی باقی ہے حجاب
اک اجازت کی ادا بھی چاہیئے

برہمی ہے آپ کو تنقید سے
اور ضد ہے آئینہ بھی چاہیئے

پر ضروری ہیں اڑانوں کے لئے
دل میں لیکن حوصلہ بھی چاہیئے

آرزوئیں دے کے بے پروا نہ ہو
ان چراغوں کو ضیاء بھی چاہیئے

لے نہ ڈوبے فتح مندی کا غرور
تجھ کو منظر ہارنا بھی چاہیئے
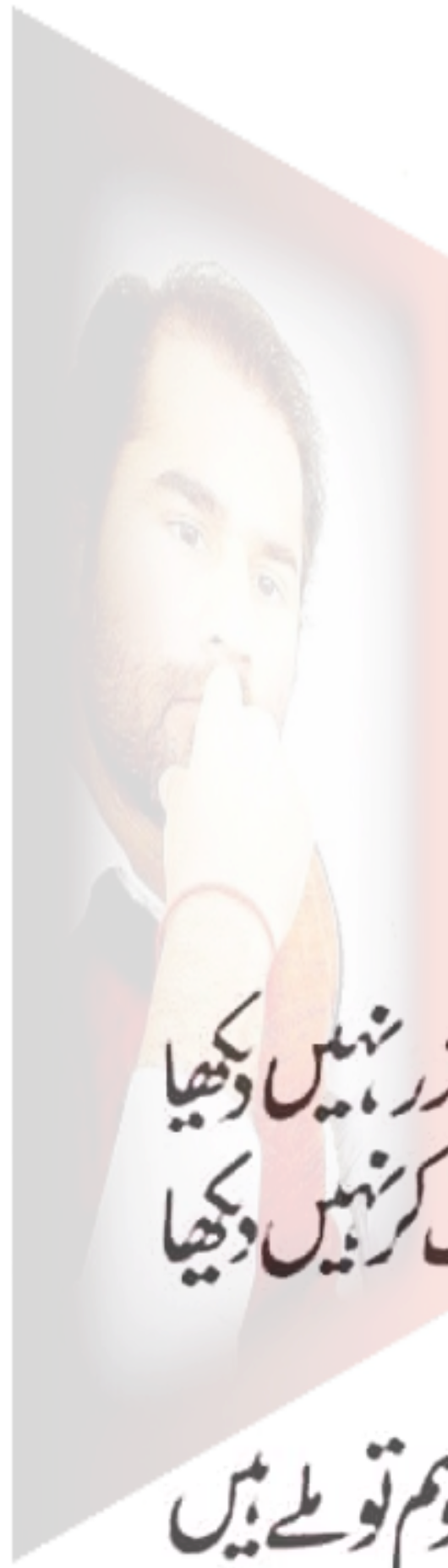
ناکام ہیں ایسا مقدر نہیں دیکھا
خوشیوں نے کبھی ہمکو پلٹ کر نہیں دیکھا

ہاں خاک اڑاتے ہوئے موسم تو ملے ہیں
موسم کی ہتھیلی پہ گلِ تر نہیں دیکھا

یوں مجھ سے کوئی میرا پتہ پوچھ رہا ہے
اُس نے کبھی جیسے کہ میرا گھر نہیں دیکھا

دیکھا ہے ابھی چاند نکلتے ہوئے تم نے
بپھرا ہوا بے چین سمندر نہیں دیکھا

کیا ظلم ہے اوجھل ہوئے جاتے ہو نظر سے
میں نے تو ابھی آنکھ بھی بھر کر نہیں دیکھا

یوں محوِ عبادت ہوئے ہم یاد میں اُن کی
پھر دل سے کبھی جھانک کے باہر نہیں دیکھا

منظر یہ مرا شہر ہے سچائی کا مقتل
سچائی کے شانوں پہ یہاں سر نہیں دیکھا

مِرے غم نے دکھایا یہ کمال آہستہ آہستہ
غرورِ حسن پر آیا زوال آہستہ آہستہ

سُلگتی ہے فضائے حال، مستقبل کا کیا ہوگا
پتہ کچھ دے رہا ہے یہ سوال آہستہ آہستہ

ٹھہر نقصاں اٹھائیگا ذرا سی جلدبازی میں
ہواؤں کے مقابل پر نکال آہستہ آہستہ

مری تقدیر چمکے گی نہ وہ وعدے وفا ہونگے
گذرتے جائینگے یہ ماہ و سال آہستہ آہستہ

چھڑا دینگے تیرے ہاتھوں سے دامن بے خیالی کا
تجھے ہوگا ہمارا بھی خیال آہستہ آہستہ

ظلمت کو کبھی صبح کا معیار نہ مانے
سولی پہ چڑھتے صاحبِ کردار نہ مانے

پستی سے بلندی کیلئے راہ نکالی
لڑتے رہے تقدیر سے ہم ہار نہ مانے

چاہا تھا کہ میں اپنی اُداسی کو چھپا لوں
روتے ہوئے گھر کے در و دیوار نہ مانے
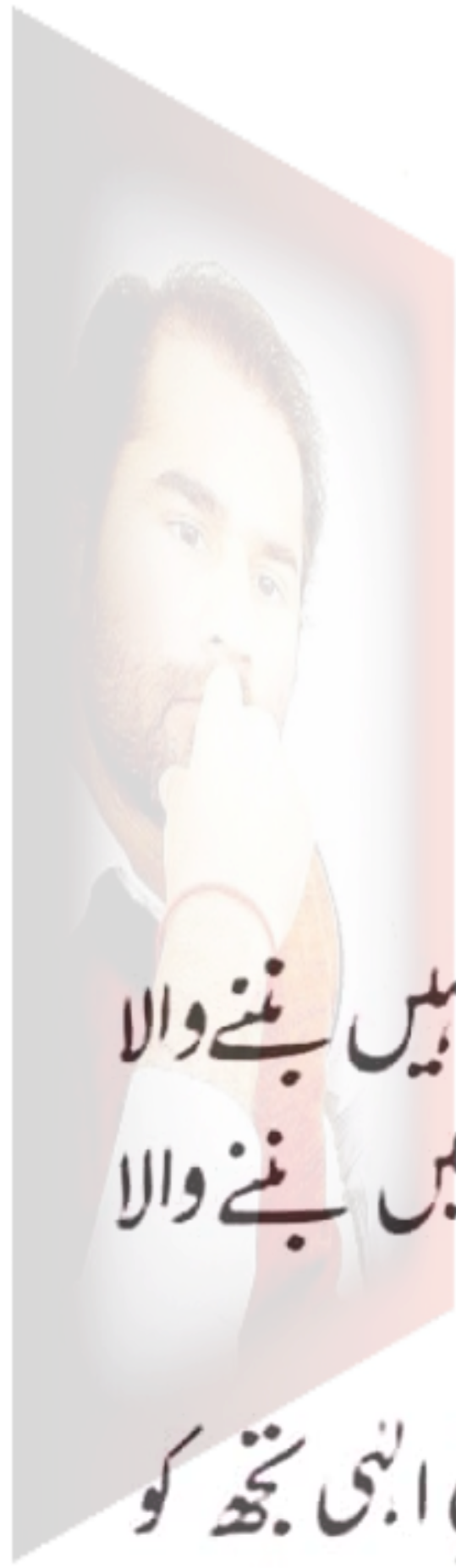
صرف خوابوں سے مقدر نہیں بننے والا
ان زمینوں پہ ترا گھر نہیں بننے والا

لوگ کہتے ہیں کہیں ظلِ الٰہی تجھ کو
اہلِ دانش کا تو ہمسر نہیں بننے والا

دل سے وہ آگ نکالو کہ زمیں روشن ہو
قطرۂ اشک سمندر نہیں بننے والا

نام پر خوب جھیزوں کے سمیٹو آنسو
یہ مگر طے ہے مقدر نہیں بننے والا

حاکمِ شہر نے پتھر میں سمادھی لی ہے
لفظ اس کے لئے خنجر نہیں بننے والا
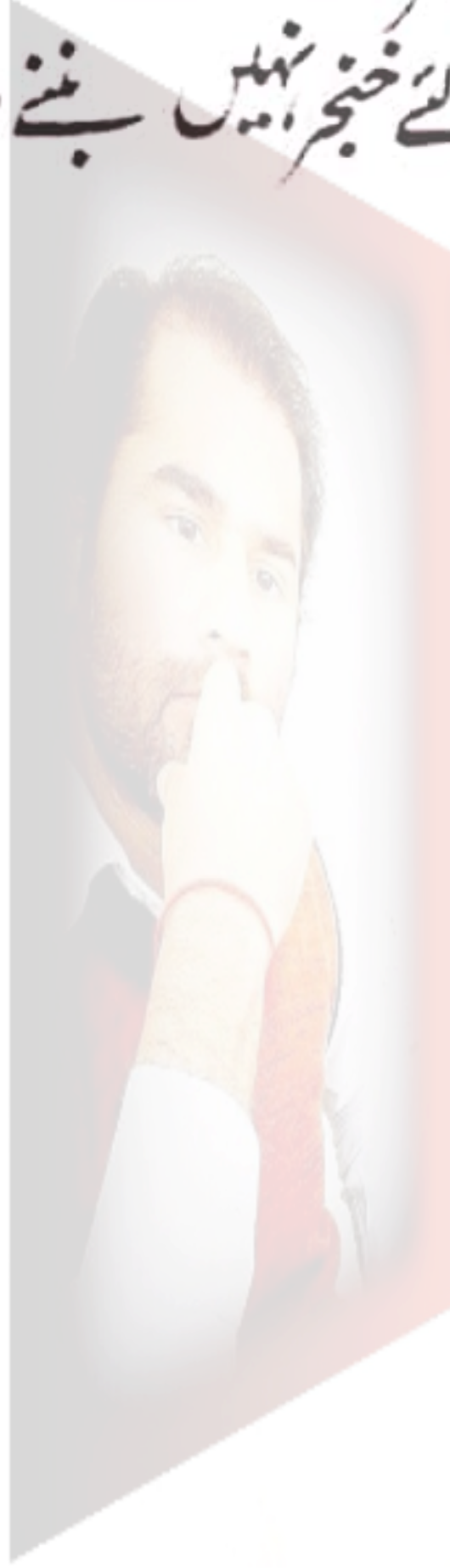
زخم کھا کر شباب میں ہم تم
پڑ گئے کس عذاب میں ہم تم

نیند میں بھی وہی کہانی ہے
بچھڑے جاتے ہیں خواب میں ہم تم

دوڑ پڑنا نہ دیکھ کر دریا
چل رہے ہیں سراب میں ہم تم

چُپ رہے تو جہاں مٹا دے گا
اُٹھ کھڑے ہوں جواب میں ہم تم

وہ لکھا ہے جو ہو نہیں سکتا
کیا پڑھیں اب کتاب میں ہم تم

مسئلے ہیں کہ حل نہیں ہوتے
کب سے ہیں پیچ و تاب میں ہم تم

لے گیا چھاؤں ہر اک سر سے اُجالے کر کے
چل دیا وہ ہمیں سورج کے حوالے کر کے

تری تقسیم میں انصاف کی بو باس نہیں
رزق دیتا ہے غریبوں کو نوالے کر کے

ایک دو دن ہے تمہاری یہ ملاقات کی دھوپ
پھر چلے جاؤ گے دن تم میرے کالے کر کے

کچھ نئی بات کرو اُس کی توجہ کے لیئے
دوستو دیکھ لیا ہم نے تو نالے کر کے

میں نے دنیا میں ہی دوزخ کی اذیت پالی
اپنے احساس کو رشتوں کے حوالے کر کے

وہ ہمسفر وہ مجھے پیار کرنے والے کیا ہوئے
قدم قدم پہ جاں نثار کرنے والے کیا ہوئے

لئے ہیں خوش جمال بھی خزاں کی بو بہار میں
رفاقتوں کو پُر بہار کرنے والے کیا ہوئے

روایتوں کی آج تو بساط ہی الٹ گئی
شبِ فراق انتظار کرنے والے کیا ہوئے

نہ کارواں نہ ہمسفر یہ سر جھکا ہوا ہے کیوں
بتاؤ تم پہ اعتبار کرنیوالے کیا ہوئے

قصیدہ خوانیاں ہنر کے دائرہ میں آ گئیں
وہ سازشوں کو آشکار کرنیوالے کیا ہوئے

خدانخواستہ یہ خوں بھی رائیگاں ہوا نہ ہو
طویل شب کا اختصار کرنیوالے کیا ہوئے

انھیں کی دردمندیوں سے شاعری جوان تھی
ہمارے زخمِ دل شمار کرنیوالے کیا ہوئے

چلے تھے شوق سے ہم تحفۂ وفا لے کر
غموں نے لوٹ لیا نام آپ کا لے کر

یہ آگ گھر کو لگی ہے تو کیا تعجب ہے
گئی تھی روشنی مجھ سے مرا پتہ لے کر

ستارے موند لیں آنکھیں تو کتنا اچھا ہو
جھکا ہے وہ میرے چہرے پہ التجا لیکر

بہت خراب ہے ماحول اس زمانے کا
نکلنا گھر سے تو ماں باپ کی دُعا لیکر

اُسے جھکے ہوئے سر ہی پسند آتے ہیں
حضور اُس کے نہ جائے کوئی انا لیکر

یہ شہرِ سنگ ہے قیمت نہیں یہاں دل کی
کہاں کھڑے ہیں جناب آپ آئینہ لیکر

یہ آسمان تری رہ گذار ہے منظرؔ
پروں کو تول اڑانوں کا حوصلہ لیکر

اندیشے ہیں لوگوں کو ترے باب میں کتنے
پیوند ہیں کردار کے کمخواب میں کتنے

ممبر پہ کھڑے ہو کے یہ سچائی بھی کہیے
سر کٹ گئے اس سایۂ محراب میں کتنے

جب جنگ لڑی جائے گی تب ہم پہ کھلے گا
ہیں واقعی احباب ان احباب میں کتنے

پڑھتے ہیں مزے لے کے ہم اخبار کی خبریں
سیلاب میں کتنے مرے پنجاب میں کتنے

اب ایک سلگتی ہوئی ویرانی ملے گی
کل خواب تھے اس دیدۂ بے خواب میں کتنے

اپنی عزت کی تجارت نہیں کرنے دینگے
بے ضمیروں کو قیادت نہیں کرنے دینگے

بادشاہت ہے یزیدوں کی زمیں پر جب تک
دستِ حق پر ہمیں بیعت نہیں کرنے دینگے

مان لیں گے مری ہر بات سیاست والے
لیکن اظہارِ صداقت نہیں کرنے دینگے

قصے تمام آپ نے یوں پاک کر دیئے
بستی کے سب شکستہ مکاں خاک کر دیئے

آنسو یہ پونچھ جائیگا رومال دھوپ کا
رخسارِ گل جو اوس نے نمناک کر دیئے

دشمن سمجھ رہے تھے کہ ہم ہار جائیں گے
زخموں نے ذہن اور بھی بیباک کر دیئے

پھانس ذہنوں میں جو ذرا سی ہے
دوستوں کے لہو کی پیاسی ہے

جُرم لگتا ہے مسکرانا بھی
کس قیامت کی یہ اُداسی ہے

دوست دلّی میں کم ہی ملتے ہیں
ہر تعلق یہاں سیاسی ہے

ڈھانپ کر بھی بدن برہنہ ہیں
اب لباسوں میں بے لباسی ہے

ہر نئے سال کی طرح منظر
اب کے بھی یہ بہار باسی ہے

یاد کا ایک لمحہ سزا دے گیا
کتنی چنگاریوں کو ہوا دے گیا

جس پہ موسم کا کوئی اثر ہی نہیں
وہ مجھے زخم ایسا ہرا دے گیا

کتنا چالاک تھا میرا دشمن مجھے
پہلے احساس پھر آئینہ دے گیا

بے نیازی سے چھو کر ہمیں وہ حسیں
گمشدہ خواہشوں کا پتہ دے گیا

آرزوؤں کے غنچے چٹکنے لگے
کس کا پیغام دستِ صبا دے گیا

سبز ہونے لگا اعتبارِ غزل
وقت منظر کو ایسی فضا دے گیا

سِتم کی دھوپ میں اب کے پڑاؤ ہے اپنا
اُسی حسیں کی طرف پھر جھکاؤ ہے اپنا

نگاہِ غیر کی ہمدردیاں قبول نہیں
علاج خود ہی کریں گے کہ گھاؤ ہے اپنا

یہیں پہ دھونی رمائی ہے آرزوؤں نے
شبِ الم میں یہی دل الاؤ ہے اپنا

جوابِ یار پہ ہم منحصر نہیں رہتے
وفا، خلوص، محبت سبھاؤ ہے اپنا

خزاں رسیدہ زمینوں کو کیا کریں سیراب
کہ ریگ زار کی جانب بہاؤ ہے اپنا

فساد و جنگ نہیں گفتگو کی راہ چلو
زمانے بھر کے لئے یہ سجھاؤ ہے اپنا

ذرا سی وقعت و شہرت ملی ہے جو منظر
کچھ اپنے شہر میں کچھ رکھ رکھاؤ ہے اپنا

دن لڑکپن کے ہنس کر گذارے نہیں
ہم کو آنسو ملے ہیں ستارے نہیں

زندگی کو غریبوں کی سمجھو گے کیا
پھول تم نے چھوئے ہیں شرارے نہیں

یا تو ہر لحظہ موسم کی تھیں دستکیں ،
اب جو کھڑکی کھُلی تو نظارے نہیں

چبھ رہے ہیں وہی حاکمِ شہر کو
لفظ جو کاغذوں پر اُتارے نہیں

فیصلہ کر کے اُترو سمندر میں اب
تم نہیں یا یہ طوفاں کے دھارے نہیں

اپنی ہمت پہ اُڑنے کے قائل ہیں ہم
موسموں کی ہوا کے سہارے نہیں

راز یہ سمجھے نہیں میرے گھرانے والے
سب کے دشمن ہیں فسادات کرانے والے

اُنکا گھر اُن کے بھی بچے ہیں اسی بستی میں
سوچتے کیوں نہیں یہ آگ لگانے والے

میں ہوں فنکار تو چمکے گا یہ فن کا مہتاب
خاک اُڑاتے رہیں یہ خاک اڑانے والے

کیا یہ دنیا ہوئی اب اہلِ وفا سے خالی
اب تو ملتے ہی نہیں دل میں سمانے والے

آج پھر قتل کے الزام سے بچنے کیلئے
رو رہے ہیں مجھے سولی پہ چڑھانے والے

ہم سے زندہ ہے یہ تہذیبِ غزل اے منظرؔ
ہم بھی ہیں میرؔ کے غالبؔ کے گھرانے والے

اُسکی جانب سے وفا ہو کبھی ایسا بھی تو ہو
بے طلب جلوہ نما ہو کبھی ایسا بھی تو ہو

میری آنکھوں سے گرے آپکے ہاتھوں میں رچے
یہ لہو مثلِ حنا ہو کبھی ایسا بھی تو ہو

زرد موسم کے سوا کچھ نہیں دیکھا ہم نے
برگِ امید ہرا ہو کبھی ایسا بھی تو ہو

یہ بہانے تو ترے روز کا قصہ ٹھہرے
تجھ سے وعدہ بھی وفا ہو کبھی ایسا بھی تو ہو

دیوتا بن کے سزاؤں سے بچا رہتا ہے
تجھ سے بھی کوئی خطا ہو کبھی ایسا بھی تو ہو
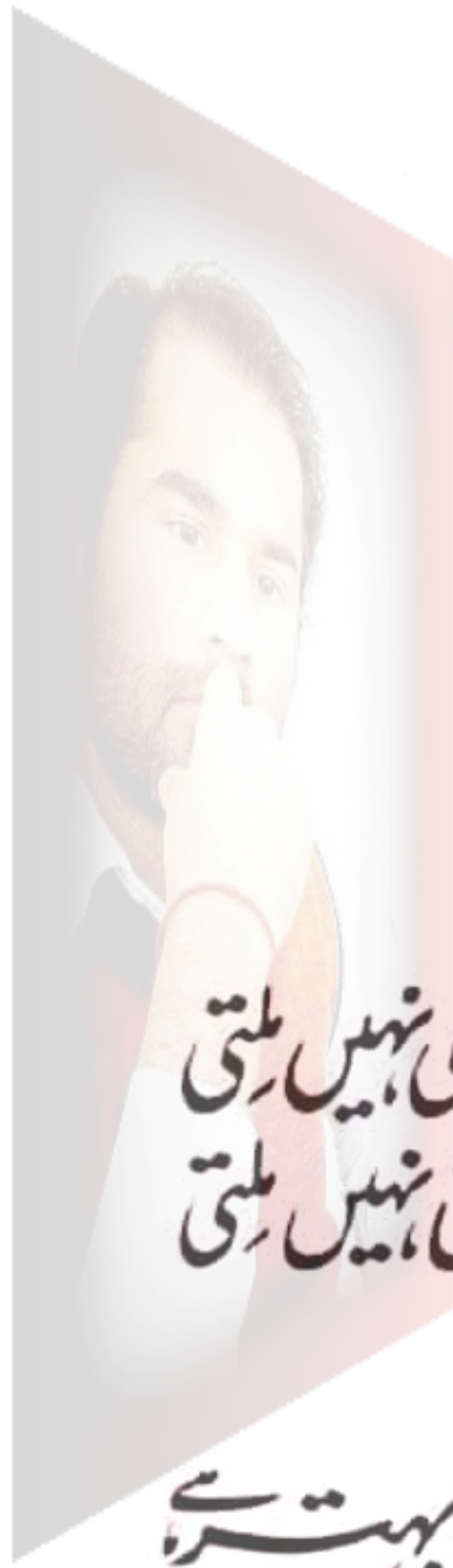
حرف حرف رٹ کر بھی آگہی نہیں ملتی
آگ نام رکھنے سے روشنی نہیں ملتی

سوچنے سمجھنے کو فاصلہ ہی بہتر ہے
رات دن کی قربت سے دوستی نہیں ملتی

میٹھی میٹھی باتوں میں صرف سچ نہیں ہوتا
مصلحت پسندوں میں سرکشی نہیں ملتی

آدمی سے انساں تک آ گئے تو سمجھو گے
کیوں چراغ کے نیچے روشنی نہیں ملتی

کتنے خونِ ناحق ہیں ارتقا کی گردن پر
دیو، جِن، پَری "قصے" سادگی نہیں مِلتی

بے لباس ہونے سے بچ گیا تو کیا منظر
آج گاؤں میں کل کی سادگی نہیں ملتی

زمانے بدلے لہو سے شرافتیں نہ گئیں
ہمارے دل سے بزرگوں کی عظمتیں نہ گئیں

یہاں بدل گیا ماں باپ کے سوا سب کچھ
اسی عظیم محبّت کی لذتیں نہ گئیں

بلا سے چھن گئی جنّت مگر وہی ہے مزاج
اُس آدمی کے لہو سے بغاوتیں نہ گئیں

ہم اب بھی سچ کیلئے ہنس کے جان دیتے ہیں
گئے حسینؓ پر اُن کی علامتیں نہ گئیں

جہیز لینا فسادوں میں مبتلا رہنا
ہمارے ملک سے ابتک یہ لعنتیں نہ گئیں

ہر ایک بار پلٹ کر ہمیں پہ وار کیا
کہ بھائی بن کے بھی سانپوں کی عادتیں نہ گئیں

ہم اپنی قوم کی خدمت میں مر مٹے منظرؔ
ہماری ذات سے لیکن شکایتیں نہ گئیں
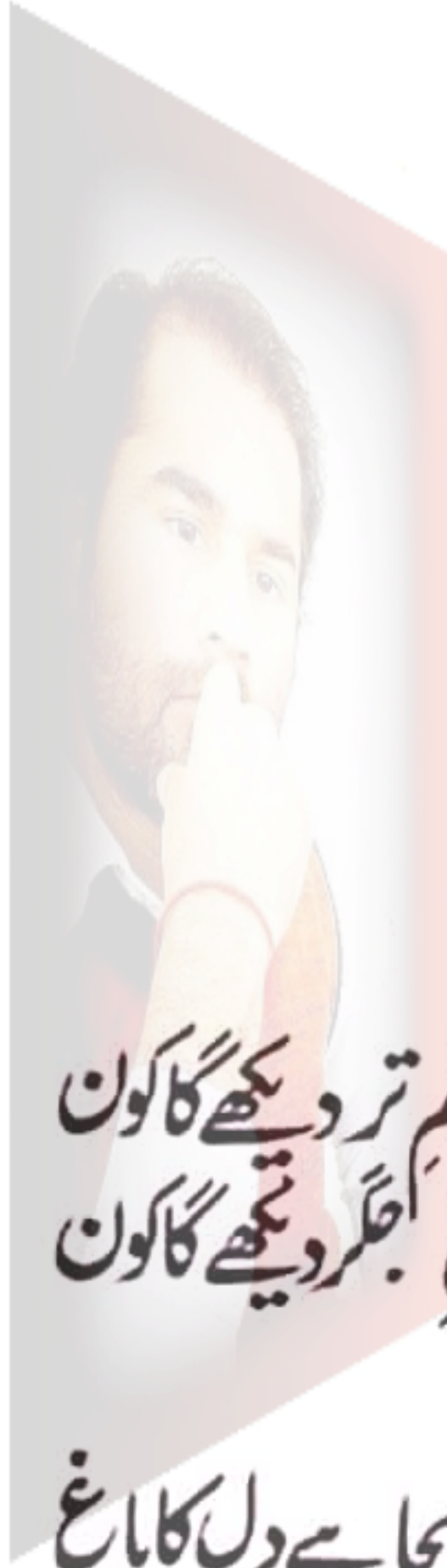
تم ہو محفل میں تو میری چشمِ تر دیکھے گا کون
چاند کے آگے بھلا داغِ جگر دیکھے گا کون

یاد کے سوکھے گلابوں سے سجا ہے دل کا باغ
زخم یہ گذرے دنوں کے اب مگر دیکھے گا کون

آپ ہی کی ہے عدالت آپ ہی منصف بھی ہیں
یہ تو کہئے آپ کے عیب و ہنر دیکھے گا کون

میں ہی اپنا محتسب بن جاؤں ورنہ دوستو
گمرہِ منزل ہوں یا ہوں راہ پر دیکھے گا کون

بجلیاں بھر پاؤں میں آگے زمانے سے نکل
بن گیا جو تو غبارِ رہ گذر دیکھے گا کون

ایک دن مظلوم بن جائیں گے ظلموں کا جواب
اپنی بربادی کا ماتم عمر بھر دیکھے گا کون

منظر اپنے خون سے اس شاخ کو سرسبز کر
گر زباں مٹ جائے گی تیرا ہنر دیکھے گا کون

تم پہ چھانا تھے شجر بنتے جو ننھے پودے
تم نے اچھا ہی کیا پاؤں جمانے نہ دیا

وہ تو آیا وہ تھا بندوں کی شکایت سُن کر
کچھ فرشتوں نے زمیں پر اُسے آنے نہ دیا

آپ تو ڈرتے ہیں کہ شکل بتائے نہ اصلی چہرہ
اپنے شہر کو آئینہ بنانے نہ دیا

کیا ملا آپ سب کو فسادات میں
دونوں ڈوبے ہیں اشکوں کی برسات میں

ہم سے پوچھو کہ دنیا سے پایا ہے کیا
درد اخلاص میں، زخم سوغات میں

ملک و ملت کا ہمدرد کوئی نہیں
گم ہیں سب اپنے اپنے مفادات میں

آئنے میں کسی سے جو ملاقات ہوئی
خشک تو موسم تھا مگر آنکھ سے برسات ہوئی
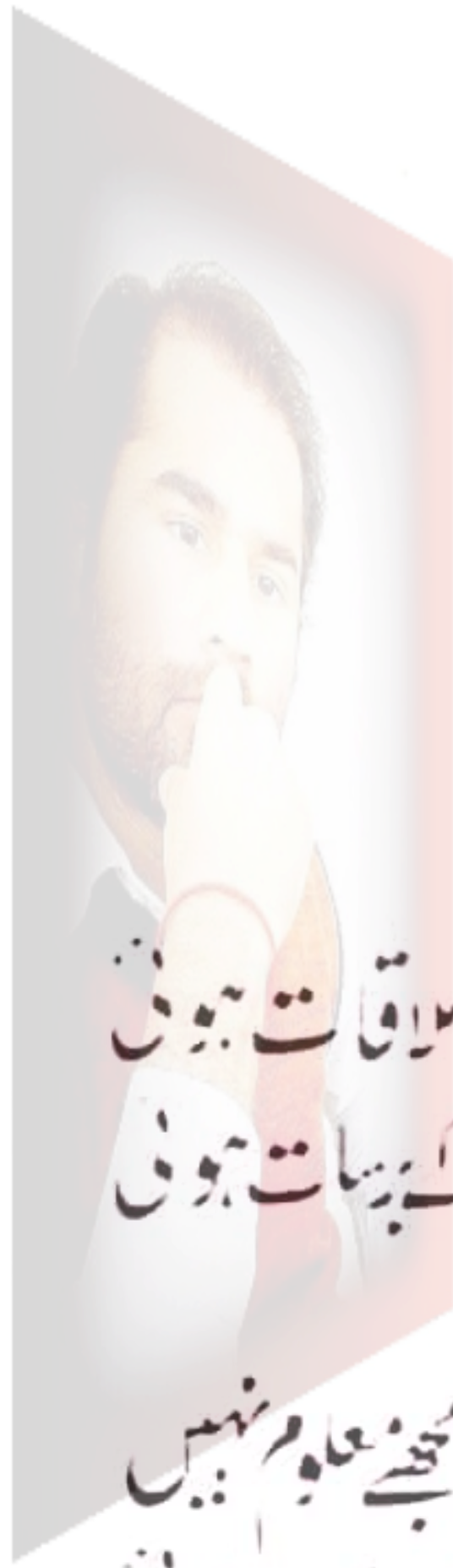
دن بھی ڈوبا کہ نہیں یہ مجھے معلوم نہیں
جس جگہ بجھ گئے آنکھوں کے دیئے رات ہوئی

Imagitor

کوئی حسرت کوئی باقی نہ خواہش ہی نہ تھی
ایسے عالم میں مری خود سے ملاقات ہوئی

ہو گیا اپنے پڑوسی کا پڑوسی دشمن
آدمیت بھی یہاں نذرِ فسادات ہوئی

اسی ہونی کو تو قسمت کا لکھا کہتے ہیں
جیتنے کا جہاں موقع تھا وہیں مات ہوئی

اس طرح گزرا ہے بچپن کہ کھلونے نہ ملے
اور جوانی میں بڑھاپے سے ملاقات ہوئی
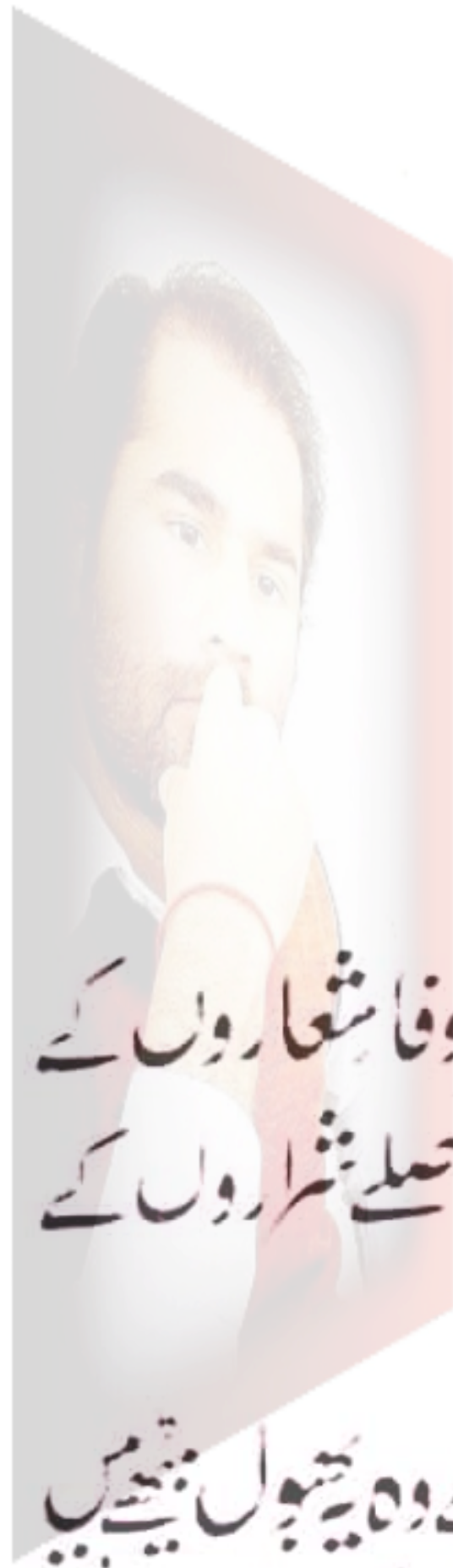
بے سبب نہیں جلتے گھر وفا شعاروں کے
آندھیاں بہانہ ہیں تو جلے شراروں کے

میرے دل سے گزرے تھے وہ جو بھول بیٹھے ہیں
کون یاد رکھتا ہے نام رہگذاروں کے

وقت کے بدلتے ہی پھر بدل گئے چہرے
میرے جاں نثاروں کے میرے غمگساروں کے
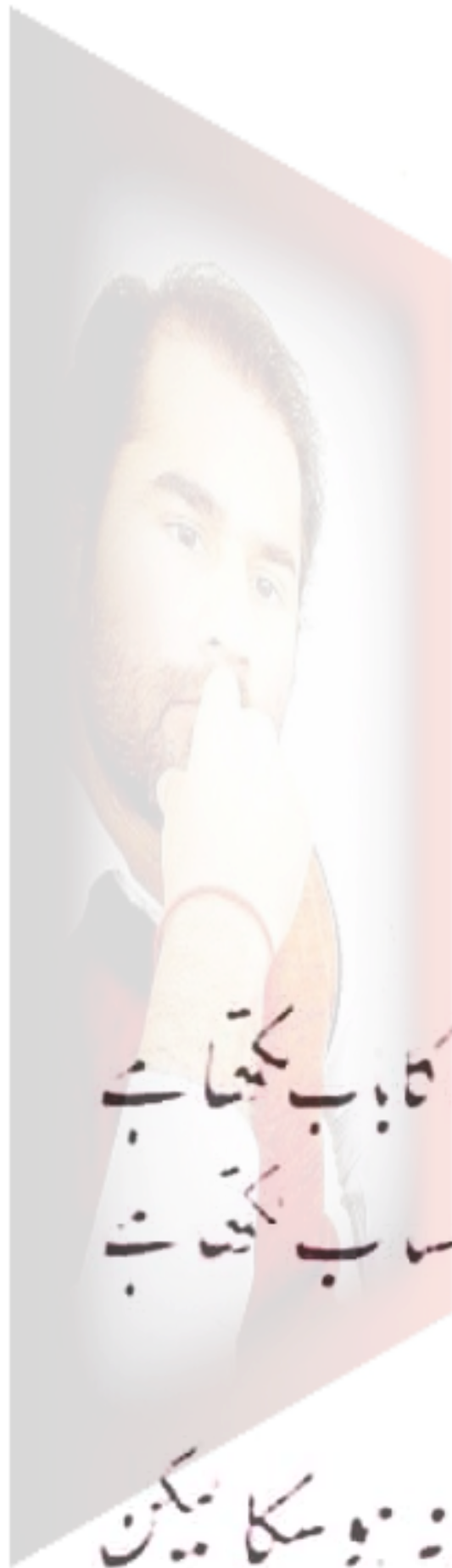
ترے وجود کو محسوس عمر بھر ہوگا
ترے لبوں پہ جو ہم نے جواب لکھا ہے

جو فساد تو اس میں نہیں کسی کا قصور
ہوائے شہر نے موسم خراب لکھا ہے

[illegible]
[illegible]

آنکھ نم ہے تو پیاس اب کیوں ہے
ناؤ پانی میں تشنہ لب کیوں ہے

روشنی بانٹ دی ہے جب تم نے
پھر میرے گھر میں تیرہ شب کیوں ہے

پیار تہذیب ہے جوانی کی
میں نے چاہا تو یہ غضب کیوں ہے

کون سمجھائے ان بزرگوں کو
آج کی نسل بے ادب کیوں ہے

آپ گھر آئے شکریہ، لیکن
مہربانی یہ بے سبب کیوں ہے

صاف کہیے کہ لوگ بھی سن لیں
بات سچ ہے تو زیرِ لب کیوں ہے

بے تعلق ہو اس سے جب منتظر
پھر تڑپ کیوں ہے بے تاب کیوں ہے

منظر کو لگاتار سننے اور پڑھنے کے بعہ
احساس ہوا کہ وہ ایک آبلہ پا کی طرح وا
پُرخار میں داخل ہوئے ہیں۔ شعر کی خوبص
اور سجی ہوئی زبان میں اپنے آپ کو ظاہر کر
کے شدید اضطراب نے انہیں دادِ تحسین سے
طوفان میں غرق آبی سے بچا لیا۔ میرے لیئے یہ
بات تھوڑی تعجب خیز ہے کہ اپنی عمر کے
تقاضوں کے برخلاف ان کا موضوع "عشق
نہ ہو کر زندگی کا وہ منظر نامہ ہے جس پر وقت
نت نئی چتر کاری کرتا رہتا ہے۔ ان کی شعر
لفظیات اور اس کے رنگ اپنے موضوع سے
غیر معمولی ہم آہنگی کے حامل ہیں۔ انکے لہجے میں
ایک ایسی رجائیت کی مہک بھی آتی ہے جو زندگی
کو اسکی تلخیوں کے باوجود ہر لمحہ بسر کر
رہنے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ میر نے آنکھ ہونیکی
شرط لگاتے ہوئے دہر کو آئینہ خانے سے تعبیر کیا تھا
منظر بھی آنکھ ہونیکی شرط لگاتے ہیں۔ اور اپنی بصا
سے اسطرح کام لینے کی سعی کرتے ہیں کہ پسِ دیوار
ظہور پذیر ہونیوالے سبھی حادثے اور واقعات
انکے مشاہدے کے قیدی بن جائیں۔ پسِ دیوار
زندگی کی یہی شعری اسیری منظر بھوپالی کے نا
کو اعتبار بخشے گی!

زبیر رضوی